انوار احمد کے افسانوں کے نفسیاتی موضوعات کا تجزیہ

Analysis Of The Psychological Themes Of Anwar Ahmed's Fiction

شازیہ عندلیب: اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
خواجہ فرید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، رحیم یار خان
سمیرا شفیع
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد
رخسانہ بلوچ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

Shazia Andleeb (Assistant Professor Urdu)
KFUEIT, Rahim Yar Khan

Sumaira Shafi (Assistant Professor)
Dept. of Urdu
GC Women University Faisalabad.

Rukhsana Baloch (Assistant Professor)
Dept. of Urdu
GC Women University Faisalabad.

Abstract:

"Internal and external behavior of human being is defined as Psychology. In Urdu AFSANA, where psychological effects were produced into it become the cause of scientific study of internal behavior of the characters. Anwar Ahmed fiction depicts political, economic, and social issues, and the resulting uncertainty, the modern-day psychological confusion created by the whole background. In this regard, the study of his novel "Astroturf" is very important. The departed exile is presented in a sense of insecurity through the old man's own words. In short, Dr. Anwar Ahmed is writing fiction in any background. His main themes are not only derived from Pakistani society and politics but also reflect the difficulties faced by people living in other countries day and night.

Keywords: Human, Psychology, Afsana, Scientific, Modernism, Economic, Wealth, Morality, Society, Political, Religious

ملخص:

اردو افسانہ نگاری میں ڈاکٹر انوار احمد ایک معتبر حوالہ ہیں۔ ان کے افسانوں میں ہمارے معاشرے کی بگڑتی صورتحال اور انسانی نفسیات پر اس کے اثرات اور سماجی برائیوں کے زیر اثر جنم لینے والے نفسیاتی مسائل کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے. معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف ان کا قلم ہمیں جہاد کرتا نظر آتا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی مسائل پر بھی وہ گہری نظر رکھتے ہیں ان کے افسانے عصر حاضر کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: انسان، نفسیات ، افسانہ ، سائنسی ، جدیدیت ، معاشی ، دولت ، اخلاقیات ، معاشرہ ، سیاسی ، مذہبی

نفسیات کو انسان کے خارجی اور باطنی طرز عمل کے سائنسی مطالعے کا نام دیا جاتا ہے۔ اردو افسانے میں نفسیاتی اثرات کا تجزیہ سامنے آیا تو یہ سائنسی مطالعہ کرداروں کے باطنی جہت کو ان کے سماجی طرز عمل سے جوڑ کر دیکھنے کا سبب ہو گئے۔ افسانے میں شعور کی رو کے استعمال بیانیہ تبدیل ہونے کا ہنر نفسیات ہی کی عطا ہے جسے اردو افسانے میں محمد حسن عسکری نے اپنے افسانے "پھسلن "اور "چائے کی پیالی "جیسے افسانوں میں بہت کامیابی سے برتا ہے۔

جدیدیت نے جب عروج پایا تو نتیجے میں فرد تنہائی، شدید کرب اور بے اطمینانی کی زد میں آ گیا۔ اجتماع کی بات کرتے کرتے مایوسی کے عالم میں اس کی بے چینی حد سے بڑھی تو نفسیاتی مسائل سر اٹھانے لگے حالات نے انسان کو مایوس کیا تو وہ خدا سے بھی منکر ہو گیا اور لادینیت کی طرف بھی مائل ہونا شروع ہو گیا بے بس اور لاچاری اس کا مقدر بننے لگیں۔

انوار احمد فرد کے داخلی رویوں، کیفیات اور انسانی شخصیت میں ہونے والی شکست وریخت کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں انہوں نے اپنے افسانوں میں فرد کے داخلی مسائل اور سماجی برائیوں کے زیر اثر جنم لینے والے نفسیاتی مسائل کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے نزدیک زندگی صرف سماجی معاشی اور معاشرتی زنجیروں کا نام نہیں ہے بلکہ انسان کی معصومیت، انسانی رشتوں کے تقدس، دوستی خلوص، ایثار و قربانی کے مضبوط اور باقی رہنے والے عناصر سے بھی عبارت ہے۔

اصغر ندیم سید رقم طراز ہیں :

> "انوار احمد اپنی شخصیت کے اسرار سمیت کہانی کے تارپور میں موجود ہے جس طرح سعادت حسن منٹو اپنے لوازمات سمیت کہانی کے ہر کونے کھدرے میں موجود نظر آتا ہے اسی طرح انوار احمد جذباتی بہاؤ میں افسانے کی ساخت کے ساتھ ساتھ پہلو بدلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ "(1)

انوار احمد کے ہاں بھی شعور کی رو کے تحت لکھے گئے افسانے ہیں۔ نفسیاتی کجیوں کا ایک سلسلہ ہے جو ہمارے معاشرے میں فرد کو فرد سے دور کر دیتا ہے اور رفتہ رفتہ معاشرتی بگاڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ انہی نفسیاتی کجیوں کی وجہ سے خاندان جدا ہو رہے ہیں۔ آپس کے اعتبار ختم ہو رہے ہیں اور معاشرے میں انا اور تشدد کا رویہ عام ہوتا جا رہا ہے انسان ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے ہیں اور آپسی محبت اور رشتے نفرت اور انتقام کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ انوار احمد کے افسانوں کا مطالعہ فرد سے لے کر قومی سطح پر ان نفسیاتی عارضوں کی تشخیص پیش کرتا ہے۔

اے بی اشرف لکھتے ہیں :

"انوار احمد کی کہانی بے مقصد نہیں ہوتی۔ وہ محض تکنیک یا ٹرک کا سہارا نہیں لیتے۔ ان کے پاس کہانی کا آدرش ہے ان کی کہانی کا خمیر معاشرے کی تہوں سے اٹھتا ہے۔ زندگی کا ہر واقعہ ہر لمحہ انہیں متاثر کرتا ہے۔ وہ کسی صورت میں کسی طرح ظلم واستحصال کو برداشت نہیں کرتے۔ ان کی سائیکی فوری طور پر مجروح ہوتی ہے۔"(2)

ان کے افسانوں میں سیاسی، معاشی، معاشرتی مسائل کی عکس بندی اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی لایقینیت جدید دور کی پیدا کردہ نفسیاتی الجھنیں پورے پس منظر کے ساتھ نمایاں ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا افسانہ "آسٹر وٹرف" کا مطالعہ بے حد اہم ہے ساڑھے تین صفحات پر مشتمل یہ افسانہ ہجرت سے پیدا ہونے والے نفسیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ پاکستانی ملکی وسیاسی صورتحال، اپنی شناخت کا مسئلہ، معاشی، نفسیاتی جبر کے تحت اختیار کی جانے والی جلاوطنی کو عدم تحفظ کے احساس میں بوڑھا باپ کی خود کلامی کے ذریعے پیش کیا ہے۔

"بلکہ یہ واقعہ ہے کہ مجھے قطعاً یاد نہیں اس زمین پر گھر بنانے سے پہلے میرا کوئی اور گھر بھی تھا۔ ہاں بعض لمحوں میں کچھ چیزیں مجھے گڑبڑا دیتی ہیں، ایک لق ودق ویرانہ میری نگاہوں میں پھیل جاتا ہے اور میں خود ٹھوکریں کھاتا ہوا ایک مسافر دکھتا ہوں۔ یہ سفر نہ جانے کہاں سے کہاں تک سفر کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر یا خود سے خود تک کا سفر! مگر یہ خود سے خود تک کا سفر ہوتا تو پھر میں خود کو ایک اجنبی مسافر کیوں محسوس کرتا ہوں۔"(3)

اس افسانے میں انوار احمد نے نفسیاتی کشمکش کو بیان کیا ہے یہ ادھورا پن اور خلار شتوں کی ناقدری اور تنہائی کی دین ہیں۔ یہ خالی پن اور تشنگی جدید دور کے انسان کا المیہ ہے۔ آج کا انسان خواہشات کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ انوار احمد نوجوانوں کی نقل مکانی سے بے حد مایوس ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستان کا ہر دوسرا انسان یہاں سے نقل مکانی کر جانا چاہتا ہے کیونکہ بدلتے حالات اور معاشرتی بگاڑ کے نتیجے میں ہر فرد بہتر حصول رزق اور موثر ماحول کا حامی ہے۔ انوار احمد کے افسانے اپنے عہد کے نمائندہ ہیں۔ انہوں نے انفرادی واجتماعی سطح پر اپنے عہد کی شناخت وعدم شناخت اور جبر وکرب کی متنوع صورتوں کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔

"ایک بے ضرر کہانی "میں انوار احمد نے دورِ جدید کی تصویر پیش کی ہے کہ دنیا میں جدید سے جدید مشینری آگئی ہے لیکن بعض لوگ اب بھی اسی طرح غربت وافلاس کے اندھیرے میں پس رہے ہیں۔ وہ آگے تو بڑھنا چاہتے ہیں مگر ان کے حالات انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔

"باؤ جی دفتر میں ایک الیکٹریشن کی ضرورت ہے تمہاری نظر میں کوئی لڑکا ہو اور وہ ابھی تک دبئی نہ گیا ہو تو ڈپلومے اور درخواست سمیت صاحب کے سامنے پیش کرو۔"(4)

لوگوں کی نفسیات پر صرف ایک بات حاوی ہے کہ جو بھی پڑھ لکھ گیا ہے تو وہ یہاں سے نقل مکانی کر کے جا چکا ہے۔ جبکہ غریب آدمی مسلسل غربت میں دھنس رہا ہے۔ اسکے نزدیک ایک معمولی سی نوکری کا حصول بھی کسی جنگ سے کم نہیں ہے۔ بے بسی

اور مایوسی معاشرے کا ایک بڑا المیہ ہے۔ قلم کار نے اس موضوع پر بہت خوبصورت کہانی ''شہر کا پہلا محب وطن کا بچہ'' تحریر کی ہے۔ اس افسانے میں انوار احمد نے سوچ پر لگے پہرے اور زبان پر پڑے تالے ظاہر کیے ہیں۔ انہوں نے آجکل کے معاشرے کو کسی قید خانے سے کم قرار نہیں دیا۔ ان کے نزدیک ہم ایسے معاشرے میں رہ رہے ہیں جہاں ہماری سوچ، زبان سب چیزیں پابند ہیں۔ ہم بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے ہیں ہماری حیثیت جو اشرف المخلوقات کی تھی وہ چھین لی گئی۔ ہم کہنا تو دور کی بات سننے سے بھی قاصر ہو چکے ہیں۔

"جیسے ہر چیز سے اصل چیز نکل گئی ہو بدن روح کو اور مکاں مکیں کو ترسے۔"(5)

موجودہ حالات نے نفسیاتی الجھنوں کو اور بڑھاوا دیا ہے ہر کوئی آگے نکل جانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے آپس کی محبتیں ختم ہو گئی ہیں ہر چیز اپنے اصل سے دور ہو گئی ہے زندہ ہونے کے باوجود زندگی کا کچھ علم نہیں اس لیے انہوں نے خوبصورت اور اثر انگیز فقرہ لکھا ہے۔

"وہ محبت بھی کرتے تھے اور نفرت بھی مگر اس کے ہدف سے ناواقف تھے۔"(6)

انسان نفسیاتی لاپرواہی اور ہٹ دھرمی کا شکار ہو رہا ہے کیونکہ زندگی کے بڑے اور کربناک حوادث معمولات کے مطابق پچاس سو افراد کا قتل ایک اور روز مرہ کا تماشا ہے۔ انسان نفسیاتی ڈھٹائی کا اظہار کرنے لگا ہے حالات نے اس سے متاثر ہونے رفیق القلب ہونے اور محسوس کرنے کا حق چھین لیا ہے۔ معاشرے کی تلخ حقیقتوں سے نظریں چرانا ایک ادیب، کے لیے مشکل کام ہے۔ ہمارے امیر ان معاشرہ نے ہماری زمین کو اپنی جاگیر سمجھ لیا ہے۔ انسان کو اس قدر مجبور کر دیا گیا ہے کہ معاشرے میں چاہے جو کچھ بھی ہو تا رہے اسے کچھ فرق نہیں پڑتا اس میں روکنے ٹوکنے کی حس ختم ہو چکی ہے۔ وہ ایک بے حسی کا شکار ہے۔ اور انوار احمد کی شناخت ترقی پسند حقیقت نگار اور علامت نگار افسانہ نگار کی ہے مگر ان کی کہانیوں میں وجودیت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ وجودیت کے تمام عناصر خوف، مایوسی گھٹن، فرار، بے بسی، ان کی ہر کہانی میں نمایاں ہوتی ہے۔ جس کی بنیاد پر ہم انھیں وجود فکر رکھنے والا افسانہ نگار کہیں تو کچھ غلط نہ ہو گا۔ ان کے افسانوں میں کرب تنہائی مایوسی فرار تمام اشرف المخلوقات پر حاوی ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ معاشرے میں ایک ہی ماحول اور موضوع سے انسان اکتایا دکھائی دیتا ہے۔

'' نئی دنیا کی تلاش'' نئے ماحول کو ڈھونڈ نکالنے کی خواہش ہے کہانی کا موضوع اہم ہے جس میں انسان کچھ نءے کی تلاش میں گم ہے۔

"اس کا کام صرف ستاروں کی چال پر ہی نظر رکھنا نہیں تھا بلکہ نت نئی تبدیلیوں کا مشاہدہ کرنا اور کسی روز اچانک ابھرنے والے ستارے کا انتظار کرنا تھا۔"(7)

آج انسان داخلی کرب کا شکار ہے جیسے پہلی اور دوسری جنگ عظم میں تھا۔ آج کے انسان کو ناگہانی آفات، معاشرتی بگاڑ، اور خراب حالات نے عدم تحفظ کا شکار بنا دیا ہے۔ اس کے دل میں خوف بس چکا ہے۔ ایک جیسے حالات دیکھ کر وہ بے بس ہے دنیا کو بدلنے کے درپے ہے لیکن تمام حالات کو دیکھ کر ان سے مایوس ہو چکا ہے۔

"آج رات میں نے ایک نئی دنیا کی تلاش تو کی مگر میں خوش نہیں کیونکہ وہاں جو انسان تھے وہ ذبح کر دیے گئے ہیں اور جو باقی بچ گئے ہیں انہیں انسان مانتے مجھے ڈر لگتا ہے۔"(8)

افسانہ "بچھوں کے ساتھ ایک رات" نا آسودہ خواہشات، بے بسی اور ذہنی الجھنوں کا عکاس ہے۔ پورا افسانہ واحد متکلم کی گفتگو کے گرد گھومتا ہے کہانی میں مجبوری اور بے بسی عیاں ہے۔

"اس رات میرا جی چاہا کہ میں اپنے گھر نہ جاؤں مگر میں اپنے گھر والوں کو اپنی دانست میں یہی ایک سکھ تو دیتا ہوں کہ اپنے حصے کا اندھیرا خود اوڑھ کر سوتا ہوں۔"(9)

بے چینی اور گھٹن واحد متکلم کے نفسیاتی خلاء کی طرف اشارہ کرتی ہے فطرتاً انسان امیدوں اور خواہشات کا متلاشی ہے اور جذبات اس کی زندگی کا خوبصورت اثاثہ ہیں۔

انوار احمد نے اس افسانے میں پر اسراریت اور تجسس کے عناصر سے انسانی ذہن معاشرتی صداقتوں سے گریز کرتے ہوئے عام حقائق سے ماورا ہونے کی کوشش کی ہے اور وہ عجیب و غریب واردات و کیفیات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں بھی مایوسی کی وجہ سے انسان زندگی کے کرب سے دوچار ہے۔ شعور، لاشعور، تحت الشعور، اجتماعی لاشعور کی پرتوں کو انوار احمد نے اپنے افسانوں میں بین السطور خوب کھولا ہے۔

افسانہ "ایک بے ضرر کہانی" اس نئی نسل کا المیہ ہے جو مادی ترقی کی دوڑ میں پھنسے انسان کی کہانی ہے جہاں اسے چھوٹی سی امید کی کرن بھی بہت قابل ستائش معلوم ہوتی ہے۔

"ایک عرصے کے بعد وہ اونچی آواز میں بولا تھا اسے اپنی آواز اچھی لگنے لگی اور اپنا ہنر بھی، آج اس کے قدم پہلے کی طرح بوجھل بھی نہیں تھے۔ اور اس نے کرسی میز کو زنجیر سے آزاد کرنے کے بعد صاف بھی کیا اور جمعدار کے ماتھے پر داد دی اور دال مونگ والے سے ہنس کر ادھار کرنے کو کہا۔"(10)

نفسیاتی کشمکش کے بھنور میں پھنسے انسان کو زندگی میں کبھی کبھی ایک چھوٹی سی امید بھی بہت بڑی نعمت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے مسائل چھوٹی سی خوشی سے بھی حل ہوتے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ انسانوں کو پہچاننا ان کی شناخت کرنا لمحوں یا دنوں کا کھیل نہیں اس کے لیے ایک عمر درکار ہوتی ہے جس میں وقت کے ساتھ ملتا تجربہ ہے جس سے انسان اپنی شناخت کو پائیدار بنا سکتا ہے۔ انوار احمد کے افسانے ان کی باریک بینی کا واضح ثبوت ہیں۔ انہوں نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

انوار احمد کے افسانے "درخواست گزاروں کا میلہ" جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات اور ان کے پس پشت عوامل کو پیش کرتا ہے۔ زندگی کی بے یقینی، انسانی اقدار کی پامالی، مقاصد حیات کی بے ستمی اور عالمی ایجنڈے کے تحت پیدا ہونے والا طوفان اور اس طوفان کی تباہ کاریاں اس افسانے کا موضوع ہے۔

ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں :

"ادب فن میں جدیدیت خصوصی طور پر ناقابل بیان احساس یا جذبے کی آئینہ دار ہے، تاہم جدیدیت کی تعریف ہمیشہ متنوع اور متنازع رہی اس کی وجہ اصطلاحات کا کنفیوژن ہے کیونکہ ماڈرن ازم ماڈرونئی کی تاریخ کے بہت بعد منظر عام پر آیا۔"(11)

مابعد جدید افسانے نے کرداروں کو ان کی پہچان لوٹائی۔ ان کے بندھے ہوئے ہاتھ پیروں کو آزاد کیا۔ انہیں آزاد زندگی کی فضا اور حوصلہ عطا کیا۔ مابعد جدید افسانے سے کہیں کچھ باقی نہیں اور جو باقی رہ جاتا ہے وہ تخلیقی طور پر کار آمد نہیں ہوتا جس کا ثبوت انوار احمد کا فن ہے۔

انوار احمد کے افسانے مابعد جدیدیت کے اثرات قبول کیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں جدید دور کے مسائل اور اسی دور میں پائی جانے والی فرسٹیشن کا ذکر بھی عام ہے۔ "درخواست گزاروں کا میلہ" عوام کی صورتحال کا عکاس ہے ایک ہی عوامی جلوس کا مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی طرف رواں سفر، ایک دوسرے کے خلاف کوششیں جو کہ دراصل ان کے اپنے ہی خلاف ہو جاتی ہیں، نعرہ بازی اس بے سمتی، انتشار، اور کھوکھلے پن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو ان کی نفسیات اور موجودہ نظام کی فرسودہ روایات کی دین ہے۔

افسانہ "کہانی کون لکھے" مزاحیہ اسلوب میں لکھا گیا افسانہ ہے جس میں ادبی صورتحال کو طنزیہ طرز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں پاکستان میں ادب کا منظر نامہ مسائل و مشکلات میں گھر نظر آتا ہے۔ افسانے میں مٹر اسٹریجی امریکہ سے آئے ہیں اور پروفیسر کلیم کی مدد سے شہر کے بڑے کہانی لکھنے والوں سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ فکشن کے رجحانات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

> "وہ شہر کے سب کہانی کہنے والوں کو تھانے میں بلانا چاہتا تھا مگر اسٹریجی کی خواہش پر وہ راستہ اختیار کیا گیا جو پروفیسر کلیم کے گھر تک آتا تھا۔"(12)

اس کہانی میں مختلف کرداروں کے شخصیت کے مفاد اور نفسیات کو سامنے لایا گیا ہے۔ ایک وقت میں اپنے فائدے کے لیے کئی کئی کاموں کو صرف ایک کردار کو کرتے دکھایا گیا ہے لیکن افسانے کے آخر میں اردو افسانے کے امکانات پر گفتگو اور تبصرہ کا خیال شروع ہوا۔ مسٹر سٹرینجی اردو کہانی میں حق گوئی اور بے باکی سے عاری یہ ادیب معاشرے میں کیا فرائض ادا کریں گے اس کا اندازہ اس افسانے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح "کہانی اور کہر" کا موضوع مختلف محفلوں میں معاشرے میں پھیلی منافقت اور دوغلے پن، اضطراب اور دکھی اقدار کے کھوکھلے پن کا مشاہدہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر کہانی ایک عالم کے کمرے میں گئی اور ادب سے معنی بن کر بیٹھی دکھائی دیتی ہے۔

> "اب کہانی شہر کے سب سے بڑے عالم کے گھر پہنچی، اس کے بیش قیمت کمرے میں سجی نفیس الماریوں میں خوبصورت کتابیں مفصل تھیں۔"(13)

انوار احمد نے اپنی کہانی کو کبھی معاشرے کے دکھوں سے الگ نہیں ہونے دیا۔ اور نہ ہی انہوں نے کبھی زمینی حقائق اور نفسیاتی مسائل سے نظریں چرائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے معاشرے میں جنم لینے والی برائیوں، انسانی زندگی کے مسائل اور ان میں گھرے ہوئے انسان کی بے بسی معاشرے کے ان المیوں کی نشاندہی ہے جو قابل اعتراض حد تک برائیوں کو بڑھاوا دینے میں شامل ہیں فرد اس معاشرے میں تنہائی اور کرب کا شکار اپنے وقتی مسائل کی وجہ سے ہے۔ انوار احمد کا کمال ہے کی انھوں نے دکھی انسانیت کا تذکرہ اپنی کہانیوں میں بدلتی صورتحال کے مد نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔

بقول ڈاکٹر اے بی اشرف:

"اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں کہ انوار احمد کا سفر کمال کو پہنچ چکا ہے یا ان کی فنی ریاضت نے اپنی منزل کو پالیا ہے۔ ابھی تو انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا ہے خود انہیں بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ان کی آخری بڑی کہانی تخلیق ہو چکی ہے۔ وہ کہانی تو ابھی خواب میں ہے۔ انوار احمد اس کی تعبیر بن رہا ہے۔ اس کی محنت اس بڑھیا کی سی ہے جو تھوڑا تھوڑا کر کے چرخے پر سوت بنتی ہے اور بازار میں لاتی ہے۔ انوار احمد بھی سوت بن رہا ہے اس کے سوت کی قیمت بازار میں بڑھیا کے سوت سے زیادہ نہیں پڑے گی کیونکہ خون جگر کی قیمت آج بہت ارزاں ہے ، لیکن فن شناسوں کی نگاہ میں اس کا سوت انمول ہے۔ مستقبل میں اردو افسانے کی جو بھی تاریخ لکھی جائے گی اس میں انوار احمد کو ایک نمایاں مقام دینا پڑے گا۔ یہ میری پیشن گوئی نہیں انوار احمد کی فنی صداقت کا استحقاق ہے اور وقت کا فیصلہ اس کے خلاف نہ ہو گا۔"(14)

مختصر یہ کہ ڈاکٹر انوار احمد کسی بھی پس منظر میں افسانہ لکھ رہے ہوں ان کے بنیادی موضوعات صرف پاکستانی معاشرت وسیاست سے ماخذ نہیں ہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بسنے والوں کے شب وروز اور ان کی زندگی میں حائل مشکلات کے عکاس بھی ہیں۔ ان کی فکر ملکی و غیر ملکی صورتحال اور انسانی مسائل کے گرد منڈلاتی ہے۔ یوں ان کے افسانے ان کے عہد حاضر کے معاشی، سیاسی ،مذہبی ،اخلاقی،نفسیاتی صورتحال کی دستاویز بن جاتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ایک ہی کہانی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶)، ص ۱۰۔

2۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، "انوار احمد بحیثیت افسانہ نگار"، مشمولہ، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ (مرتبہ)، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۴۷۶۔

3۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۹۔

4۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ایک ہی کہانی، ص ۲۵۔

5۔ ایضاً، ص ۲۳۔

6۔ ایضاً، ص ۲۴۔

7۔ ایضاً، ص ۴۴۔

8۔ ایضاً، ص ۲۸۔

۹۔ ایضاً ص ۴۱۔

10۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط، ص ۲۵۔

11۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت (اسلام آباد: نیشنل بک فانڈیشن، ۲۰۱۶ء)، ص ۸۳۔

12۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ایک ہی کہانی، ص ۸۴۔

13۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط، ص ۶۰۔

14۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر (مرتبہ)، "انوار احمد بحیثیت افسانہ نگار"، مشمولہ، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ (مرتبہ)، ص ۶۷۹۔